٧ جمادی الاُولیٰ، ۱۴۴۴ھ / ۲ دسمبر، 2022ء

اعتدال و میانہ روی

تعارف و اہمیت اور ہماری بے اعتدالی

مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان
مرکزی دفتر
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور

042-37374429 0315-7374429 munpk7374429@gmail.com
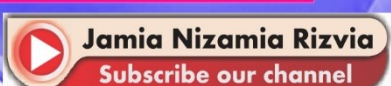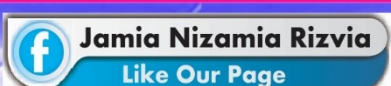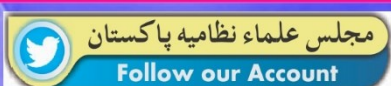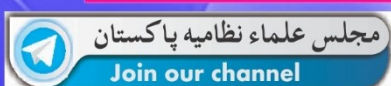
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ۔۔۔[البقرة2:143]

اسلام دینِ اعتدال ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال و میانہ روی کا حکم فرماتا ہے... عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا اخلاق و آداب، اسلامی تعلیمات ہر پہلو سے اعتدال اور توسّط پر ہیں.. دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ نبی کریم ﷺ کا دینِ متین مکمل طور پر اِفراط (Excessiveness/ Extremism) سے بھی پاک ہے اور تفریط سے بھی...اِس میں نہ تو کسی حد سے تجاوز ہے، نہ ہی کوئی کمی... نہ ضرورت سے زیادہ پابندیاں ہیں، نہ کھلی چھوٹ... نہ بے جا سختی ہے، نہ بے محل نرمی... نہ تو انسان کو دنیا سے لاتعلق کیا گیا ہے، نہ ہی دُنیا دار بننے کی اِجازت دی گئی ہے... نہ غلوّ کو پسند کیا گیا، نہ ہی کوتاہی کو... یعنی اسلام ایسا سیدھا اور اعتدال والا راستہ ہے، جس پر چلنے والا بھٹکنے سے مکمل طور پر محفوظ رہتا ہے اور دُنیا و آخرت میں کامیابی پاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ۔۔۔[1] آیتِ کریمہ کا تفسیری ترجمہ ہے: "اور بات یوں ہی ہے کہ اے مصطفیٰ کریم ﷺ کی اُمت! ہم نے تمھیں سب سے افضل اور سب سے زیادہ اعتدال والی اُمت بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر نگہبان و گواہ ہوں۔"[البقرة2:143]
یعنی خاتم النبیین ﷺ کی اُمت زمانے کے اعتبار سے آخری اُمّت ہے، جب کہ درجے کے اعتبار سے سب سے زیادہ فضیلت اور اعتدال والی ہے، جیسے دائرے میں مرکز، یا ستاروں میں سورج، یا ہار کے درمیان میں بڑا موتی، یا مسجد کا محراب... اِس اُمّت کو ملنے والی شریعت میں ہر چیز ہی درمیانی اور معتدل ہے۔(نور العرفان، بإضافة وتلخيص)

اسلامی تعلیمات سے دُوری کا نتیجہ ہے کہ سب سے زیادہ اعتدال والی اُمّت میں اب اعتدال ختم ہونے کے قریب ہے.. نہ عبادات میں اعتدال ہے، نہ لوگوں کے ساتھ معاملات میں توازن ہے، نہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں میانہ روی ہے، نہ ہی کھانے میں پینے میں توسّط ہے... نجی سطح سے لے کر ریاستی اور قومی و بین الاقوامی سطح تک بے اعتدالیاں اِس قدر ہیں کہ حد سے بڑھنے والے خود کو مُعتدل ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اور کوتاہی برتنے والے بھی میانہ روی کا دعوٰی کرتے ہیں۔
چنانچہ آج کے خطبہ میں ذکر ہو گا کہ اعتدال کا مفہوم اور اہمیت کیا ہے؟ نیز ہمیں اپنی بے اعتدالی کے خاتمہ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ویسے تو ہمارے ہاں بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں، قلتِ وقت کے پیشِ نظر خطبہ میں چند کا ذکر کیا جائے گا۔

---

[1] وَاخْتَلَفُوا فِي تَفْسِيرِ الْوَسَطِ وَذَكَرُوا أُمُورًا. أَحَدُهَا: أَنَّ الْوَسَطَ هُوَ الْعَدْلُ...وَالْعَدْلُ هُوَ الْمُعْتَدِلُ الَّذِي لَا يَمِيلُ إِلَى أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ... الْقَوْلُ الثَّانِي: أَنَّ الْوَسَطَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خِيَارُهُ....وَاعْلَمْ أَنَّ هَذِهِ الْأَقْوَالَ مُتَقَارِبَةٌ غَيْرُ مُتَنَافِيَةٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. (مفاتيح الغيب[التفسير الكبير])

اعتدال کا مفہوم

ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اُس سے آگے بڑھنا "اِفراط" (Excessiveness) وزیادتی ہے اور اُس سے کمی کرنا "تفریط" و کوتاہی ہے... جب کہ اُسی حد میں رہنا "اعتدال" اور "میانہ روی" ہے۔

کسی شے کی "حد" کیا ہے؟ اِس بارے میں شریعت نے مکمل وضاحت فرمادی ہے... شریعت نے ہر چیز سے متعلق بیان فرمادیا ہے کہ کیا ضروری ہے، کیا بہتر ہے، اور کہاں تک اجازت ہے۔ شریعت کی راہ نمائی کے بعد اپنی طرف سے نہ تو کسی تشریح کی ضرورت ہے اور نہ ہی اِجازت ہے۔

چنانچہ بلامبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنا اعتدال ومیانہ روی ہے اور شریعت کی خلاف ورزی کرنا اِفراط وتفریط ہے۔

اعتدال کی اہمیت

اعتدال اختیار کرنے اور شریعت پر عمل کرنے سے ربّ تعالیٰ کا قُرب بھی نصیب ہوتا ہے اور دونوں جہان کی کامیابی بھی، جب کہ میانہ روی چھوڑنے اور شریعت کے مقابلے میں اپنی مرضی چلانے سے مالک بھی ناراض ہوتا ہے اور ناکامی بھی مقدر ہو جاتی ہے۔

صاحبِ نعلَین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک سیدھی لکیر لگائی، پھر اپنا دستِ مبارک اُس پر رکھ کر فرمایا: «هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ۔» یعنی "یہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی مثال ہے" (یہ لکیر بالکل سیدھی ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دینِ اسلام کے عقائد واعمال بھی اعتدال والے ہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے اُس سیدھی لکیر کے دائیں بائیں (مُڑنے والی) کچھ لکیریں لگائیں اور اُن کے بارے میں فرمایا: وَهٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ۔ یعنی "یہ دوسرے راستوں (گمراہ فرقوں) کی مثال ہے، اِن میں ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو اُس کی طرف بلاتا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ "(اے محبوب! فرمادیجیے:) یہ (شریعت) میرا سیدھا راستہ ہے تو اِس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، ورنہ وہ راستے تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کردیں گے۔ اللہ تمہیں اِس کی تاکید فرماتا ہے؛ تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔" [الانعام 6:153] (سنن نسائی کبریٰ، حدیث: 11109، سنن ابن ماجہ، حدیث: 11، مسند احمد، حدیث: 15277)

معلوم ہوا کہ اعتدال شریعت پر عمل کا ہی نام ہے اور جو کچھ خلافِ شریعت ہے وہ سب اِفراط وتفریط ہے۔

اعمال میں اعتدال

شریعتِ مطہرہ نے کچھ چیزوں کو بہت ضروری قرار دیا ہے اور اُنھیں چھوڑنے کی بالکل اِجازت نہیں دی، اِن چیزوں کو فرض و واجب کہا جاتا ہے... کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، مگر کبھی کبھار چھوڑنے پر زیادہ سختی نہیں فرمائی، اِنھیں سنتِ مؤکدہ کہا جاتا ہے... کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں لازم تو نہیں کیا، مگر اُنھیں کرنے کا شوق دلایا ہے، یہ سنتِ غیر مؤکدہ، نفل یا مستحب کہلاتی ہیں... اِسی طرح کچھ چیزوں سے بچنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے، جنہیں حرام کہتے ہیں... کچھ کو ناپسند کیا ہے، جو مکروہ کہلاتی ہیں... جب کہ کئی چیزوں سے بچنے کو فقط بہتر قرار دیا ہے، یہ خلافِ اولیٰ ہیں۔

اعمال میں اعتدال یہ ہے کہ ہر چیز کو اُس کے درجہ میں رکھا جائے۔ فرض کو فرض سمجھ کر نہایت پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے، اِسی طرح حرام کو حرام سمجھ کر ہر حال میں اُس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ باقی اُمور کو اُن کے درجہ میں رکھتے ہوئے اُن کی حیثیت کے مطابق عمل یا اجتناب کیا جائے۔ اگر نفل کو فرض سے زیادہ اہمیت دی جائے خلافِ اولیٰ کو حرام کا درجہ دیا جائے تو یہ حد سے تجاوز ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی میں خالقِ کائنات جلّ جلالہ کا یہ ارشادِ مبارک بھی ہے: وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ... یعنی "میرا بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا ہے، اُن میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ اعمال ہیں جو میں نے اُس پر فرض کیے ہیں۔"[1] (صحیح بخاری، حدیث:6502) میرے بندے کا فرض ادا کرنا اور حرام سے بچنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

ہماری بے اعتدالی: عصرِ حاضر میں اعمال سے متعلق بھی بہت بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ بہت سے حضرات فرائض میں غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جب کہ مستحبات اور نوافل کے پابند نظر آتے ہیں... مثلاً محافل میں بھرپور شرکت کرتے ہیں، لیکن نماز سے لاپرواہی برتتے ہیں... دنیاوی علوم میں کوشش کرتے ہیں مگر دینی فرض علوم سے ناآشنا رہتے ہیں... صدقہ و خیرات کرتے ہیں مگر حج اور زکوٰۃ کا فریضہ ادا نہیں کرتے... لوگوں کی پریشانیاں حل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں مگر والدین کے حقوق سے غافل رہتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو سیاست، کھیل اور سوشل میڈیا کے لیے ہر وقت دستیاب ہیں، مگر نماز کے لیے فرصت نہیں۔

---

[1] اِس حدیث پاک کی تشریح میں شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ نے لکھا: إِنَّ فائدةَ النوافلِ فی الحقیقةِ تکمیلُ الفرائضِ وتتمیمُ ما وقع فیها مِن النقصانِ، فیکون القربُ الحاصلُ بأداء النوافلِ بعد أداءِ الفرائض وتکمیلِها بها أتمَّ وأکملَ باجتماعِ القربَیْنِ... (لمعات التنقیح، باب ذکر اللہ عزوجل، الفصل الاول، تحت حدیث:2266) یعنی نوافل فرائض کو مکمل کرنے کے لیے ہوتے ہیں؛ تاکہ فرائض میں جو کوتاہی رہ گئی وہ نوافل سے مکمل ہو جائے۔ جب فرائض بجالانے کے بعد نوافل ادا کیے جائیں تو اُن کے ذریعے حاصل ہونے والا قُرب کامل تر ہو گا۔

محبت و نفرت میں اعتدال

انسان کو اپنی زندگی میں کئی افراد اور چیزوں سے محبت ہوتی ہے، کسی سے ایمانی تعلق کی بنا پر، کسی سے رشتہ داری کے سبب اور کسی سے اِس بنیاد پر کہ اُس سے مفادات وابستہ ہیں۔ اِسی طرح کچھ افراد اور چیزیں ناپسند ہوتی ہے... کوئی بُرے عقائد اور غلط کردار کی وجہ سے ناپسند ہوتا ہے، کسی سے اِس لیے نفرت ہوتی ہے کہ وہ محبوب کا مخالف ہے اور کوئی نقصان پہنچانے کے سبب دشمن معلوم ہوتا ہے۔ دینِ متین سکھاتا ہے کہ محبت وعقیدت اور نفرت وبغض میں بھی اعتدال اور میانہ روی ہونی چاہیے... نہ تو محبت میں کوئی ایسا کام کرے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور نہ ہی نفرت میں ایسی حرکت کرے جس کی دین اِجازت نہیں دیتا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا: «أَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا، وَأَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا۔» یعنی ”اپنے محبوب سے تھوڑی محبت کرو، ہو سکتا ہے کہ کسی دن تمہیں اُس سے نفرت ہو جائے اور اپنے مبغوض سے تھوڑی نفرت کرو، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا محبوب بن جائے۔“(جامع ترمذی:1997)

انسان کی کیفیات اور وقت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ آج جس سے محبت ہے، ضروری نہیں کہ اُس سے ہمیشہ محبت ہی رہے، ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں صورتِ حال بدل جائے اور وہی محبوب دشمن بن جائے... اگر حد سے زیادہ محبت تھی تو کل کو شرمندگی بھی ہوگی اور اُس سے نقصان بھی۔ اِسی طرح اگر آج کسی سے نفرت اور اَن بن ہے تو ضروری نہیں ہمیشہ نفرت ہی رہے، ہو سکتا ہے کہ کل کو وہی دشمن محبوب ہو جائے... اگر حد سے زیادہ نفرت تھی تو کل کو اُس سے حیا بھی آئے گی اور پشیمانی بھی ہوگی۔(از فیض القدیر)

ہماری بے اعتدالی: ہماری اکثر پریشانیوں کا سبب یہ ہے کہ نہ محبت کے وقت حد میں رہتے ہیں، نہ نفرت کے وقت اعتدال اختیار کرتے ہیں۔ عموماً میاں بیوی کے درمیان ناچاقی محبت و نفرت میں اعتدال نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے... محبت ہے تو سر پر چڑھا لیا، پھر کوئی عادت یا بات ناپسند ہوئی تو بغیر سوچے سمجھے گالی گلوچ اور مار پیٹ شروع یا جھٹ سے تین طلاقیں۔ دوستوں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہے... محبت بھرے تعلقات ہوں تو ہر راز بتا دیا اور ذرا سی اَن بن ہوئی تو جان کے دشمن بن گئے۔ یہی کچھ سیاسی میدان میں بھی ہے... بے چارے سیاسی جیالے آنکھیں بند کرکے یوں اپنے اپنے لیڈرز کے پیچھے چلتے ہیں کہ کبھی سوچتے ہی نہیں کہ لیڈر غلط کہہ رہا ہے یا درست؟ پھر جب عقل آتی ہے کہ ہمیں غلط استعمال کیا جا رہا ہے تو سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

دینی محبت میں بھی اعتدال ضروری ہے، ورنہ انسان بھٹک جاتا ہے۔ جاہل اور خلافِ شرع کام کرنے والے پیروں کے مرید اندھی عقیدت میں مبتلا ہوتے ہیں اور ہر جائز و ناجائز کام میں اپنے پیر کے پیچھے چلتے ہیں۔ پیر اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے ہے، اگر اُسے شریعت کی پرواہ نہیں تو وہ اللہ کے قریب نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح جن فرقوں نے صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان کی محبت میں اعتدال نہ رکھا وہ بھٹک گئے، اہلِ سنت اعتدال پر ہیں تو صحابۂ کرام کے بھی غلام ہیں اور اہلِ بیتِ عظام کے بھی نوکر ہیں۔

مال خرچ کرنے میں اعتدال

اسلام ہمیں مال خرچ کرنے میں بھی میانہ روی کا حکم دیتا ہے، جب کہ "بخل" اور "اسراف" سے منع فرمایا ہے۔ جہاں خرچ کرنے کا فائدہ ہو، وُسعت کے باوجود وہاں خرچ نہ کرنا "بخل" ہے، جسے ہم کنجوسی کہتے ہیں۔ مثلاً: زکوۃ نہ دینا، صلہ رحمی نہ کرنا، ضروریات میں خرچ کرنے سے کترانا کہ مال کم ہو جائے گا... اور جہاں خرچ کرنا ممنوع ہو یا ضرورت نہ ہو یا خرچ کرنے کا مقصد اچھا نہ ہو وہاں خرچ کرنا "اسراف" ہے، جسے ہم فضول خرچی کہتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے کنجوسی کو بھی ناپسند کیا ہے اور فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے۔ ہماری تربیت کی گئی ہے کہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کیسے کمایا؟ اور یہ بھی کہ خرچ کہاں کیا؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ یعنی "(اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں، نہ کنجوس بنتے ہیں، اور اُن کا شعار اِن دونوں (بخل اور اِسراف) کے درمیان میانہ روی ہوتا ہے۔" [الفرقان 25:67]

ہماری بے اعتدالی: ہماری معاشی مشکلات کی ایک بڑی وجہ خرچ کرنے میں اِسراف اور بے اعتدالی ہے۔ گناہ کے کاموں... گانے باجوں، کھیل کود، عیاشیوں اور اللّے تللّوں میں جتنا کچھ خرچ کر رہے ہیں، وہ ہم جانتے ہیں اور یہ سب فضول خرچی ہے۔ اِسی طرح اپنی واہ واہ کروانے کے لیے، لوگوں سے داد وصول کرنے کے لیے، اپنی دولت دکھانے کے لیے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ سب بے جا ہے اور قیامت کے دن اِس کا جواب نہیں بن پائے گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں کرتے نہیں، اور جہاں نہیں کرنا چاہیے وہاں بے تحاشا مال کو ضائع کرتے ہیں۔ اگر ہم خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کریں تو بہت سی معاشی مشکلات حل ہو جائیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ۔ یعنی "جو میانہ روی کی عادت بنالے وہ کبھی اِفلاس کا شکار (دیوالیہ / فقیر) نہیں ہوتا۔" (مسند احمد، حدیث: 4269، المعجم الکبیر، حدیث: 10118)

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مرفوعاً ہے: مَنِ اقْتَصَدَ أَغْنَاهُ اللهُ، وَمَنْ بَذَّرَ أَفْقَرَهُ اللهُ وَمَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللهُ، وَمَنْ تَجَبَّرَ قَصَمَهُ اللهُ۔ جو میانہ روی سے خرچ کرے اللہ تعالیٰ اُسے غنی کر دیتا ہے اور جو فضول خرچی کرے اللہ تعالیٰ اُسے فقیر کر دیتا ہے... جو عاجزی کرے اللہ تعالیٰ اُسے (عزت و) بلندی عطا کرتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کر دیتا ہے۔" (مسند البزاز، حدیث: 946، نوادر الاصول، ج: 4، ص: 222، وإسناده ضعيف لكن معناه ثابت)

یہی مضمون دیگر متعدد احادیثِ طیبہ میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔

دینی مصارف میں بے اعتدالی: ہمیں دینی اُمور میں خرچ کرنے سے متعلق بھی اعتدال کی بہت ضرورت ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم دینی ترجیحات کو پسِ پشت ڈال رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو محافل کے انعقاد پر لاکھوں روپے خرچ دیتے ہیں، پیشہ وَر نعت خوانوں / قوّالوں / نقیبوں اور واہ واہ کروانے والے خطیبوں پر نوٹوں کی دفتریاں / کاپیاں نچھاور کر دیتے ہیں، مگر کسی دینی ادارے کو پیش کرنے کی بات آئے، صاحبِ میلاد کا دین سکھانے والے مدارس کو دینا ہو تو سرخ نوٹ پیش کرتے ہوئے بھی اُن کے چہرے پر سرخی آنے لگتی ہے۔ اِسی طرح کئی بزرگانِ دین کے اَعراسِ مبارکہ پر قوالی اور لنگر وغیرہ پر لاکھوں لگا دیے جاتے ہیں، مگر صاحبِ مزار کی تعلیمات عام کرنے کے لیے ایک روپیہ بھی نہیں لگایا جاتا۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ جس مصرف میں خرچ کرنے کا فائدہ زیادہ ہو وہاں ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے، لیکن فائدہ نہ ہو یا نیت اچھی نہ ہو تو ثواب کے بجائے گناہ ہوتا ہے۔ کسی جگہ مسجد کو ضرورت ہو تو مسجد کے لیے پیش کرنے کا ثواب زیادہ ہے، جہاں دینی اِدارے کو ضرورت ہو وہاں اِدارے کے لیے خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہے اور کہیں غریب ضرورت مند ہو تو اُسے دینے کا ثواب زیادہ ہے۔

خرچ کرنے کا سلیقہ سیکھنا ہو تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھا جائے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تین مرتبہ جنت خریدی... جب پانی کی ضرورت تھی تو اُس کا اہتمام کر کے جنت خریدی، جب مسجدِ نبوی میں اِضافہ کی ضرورت تھی تو مسجد کے لیے مال پیش کر کے جنت حاصل کی... اور جس موقع پر مجاہدین کو سامانِ جہاد کی ضرورت تھی تب اِس راستے میں خرچ کر کے جنت بھی پائی اور اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو راضی بھی کیا۔

حکومتی اخراجات میں بے اعتدالی: ہمارے حکمران قومی خزانے کے ساتھ سوتیلی ماں والا سلوک کرتے ہیں، بلکہ "مالِ مفت دلِ بے رحم" والی صورتِ حال ہے۔ اِس بے اعتدالی کا انجام بہت خطرناک ہے۔

سیدنا عَدِی بن عَمِیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، زینتِ بزمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» یعنی "ہم نے جسے ذمہ داری سپرد کی، پھر اُس نے سوئی کے برابر یا اِس سے زیادہ کوئی چیز ہم سے چھپائی (معمولی کرپشن کی) تو یہ خیانت ہوگی جو وہ قیامت کے دن لائے گا (اُس کا حساب دے گا)۔" ایک انصاری صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ذمہ داری واپس لے لیجیے۔ فرمایا: "کیا ہوا؟" عرض کیا: آپ اِس اِس طرح فرما رہے ہیں (بددیانتی پر سزا کی ایسی سخت وعید سنا رہے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَأَنَا أَقُولُهُ الْآنَ، مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَلْيَجِئْ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ، فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ أَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهَى» یعنی "میں اب بھی یہی کہتا ہوں، ہم نے تم میں سے جس شخص کو کوئی عہدہ سپرد کیا، اُسے چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے (اور کوئی بددیانتی نہ کرے)، پھر اُسے جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اُس سے باز رہے۔" (اگر یہ منظور ہے تو ذمہ داری لے، نہیں نبھا سکتا تو نہ لے) (صحیح مسلم، حدیث:4848)

پانی کے استعمال میں اعتدال

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُكُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ يَّاۡتِيۡكُمۡ بِمَآءٍ مَّعِيۡنٍ۔ "اے حبیب مکرم! آپ فرما دیجیے: بھلا دیکھو تو، اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے (اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تم اُسے نہ نکال سکو) تو تمہیں نگاہ کے سامنے بہتا پانی کون لا کر دے گا۔" [الملک:30] یعنی یہ فقط رب تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ تمہیں پانی عطا فرماتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے دیگر اُمور کی طرح اِس عظیم نعمت کے استعمال میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا حکم فرمایا ہے، حتّٰی کہ وضو وغیرہ دینی کاموں میں بے جا پانی استعمال کرنے کی اِجازت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے آبا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وضو کی کیفیت سے متعلق سوال کیا، نبیِ رحمت ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کرکے دکھایا، پھر فرمایا: «هٰكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ۔» أَوْ «ظَلَمَ وَأَسَاءَ۔» "(کامل) وضو اِس طرح ہے (جیسے ابھی مَیں نے کیا ہے)، جس نے اِس میں کمی بیشی کی (سنت کو پورا نہ کیا یا تین سے زیادہ مرتبہ اعضا کو دھو کر پانی ضائع کیا) اُس نے بُرا کیا اور (اپنے اُوپر) ظلم کیا۔" (سنن ابی داود، حدیث:135)

دوسری روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے بہتی نہر پر وضو کرنے میں بھی پانی کو ضائع کرنے سے منع فرمایا۔[1]

ہماری بے اعتدالی: اِس وقت پاکستان دُنیا کے اُن پانچ ممالک میں سے ہے جہاں پانی کی شدید قلت ہے۔ زیرِ زمین پانی کی سطح روز بروز گہرائی میں جا رہی ہے... مگر اِس شدید قلت کے باوجود ہم پانی کو بے تحاشا ضائع کرتے ہیں۔ زرعی شعبہ کو دیکھیں تو جو فصل 400 ملی میٹر پانی سے حاصل ہو سکتی ہے، اُس کے لیے 2000 ملی میٹر پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ انڈسٹریز میں پانی کے موزوں استعمال کا کوئی لائحہ عمل نہیں ہے، بڑے بڑے پائپ ہر وقت بہہ رہے ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال نجی استعمال کی بھی ہے، گھر، دفتر یا دکان میں نلکا خراب ہو جائے اور پانی ایسی جگہ ضائع ہو رہا ہو جہاں عمارت کو نقصان کا خدشہ نہیں، تو ہفتوں تک وہ خراب ہی رہتا ہے۔ ٹینکی بھر کر گھنٹوں بہتی رہے تو بھی ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ ہاتھ دھونے کے لیے نلکا کھولتے ہیں تو صابن لگانے سے ٹوتھ برش کرنے تک نلکا کھلا ہی رہتا ہے۔ کھانے پینے کی اکثر دکانوں کے باہر وقفے وقفے سے یوں پانی چھڑکا جاتا ہے، جیسے یہ کوئی ثواب کا کام ہو۔ گاڑیوں اور موٹر سائیکلز کو دھونے کے لیے کئی من پانی استعمال کرتے ہیں، حالانکہ یہ شرعی تقاضوں کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ قانونی طور پر بھی جرم ہے۔

---

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: «مَا هٰذَا السَّرَفُ؟» فَقَالَ: أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهَرٍ جَارٍ۔» (سنن اَبی داود، رقم الحدیث:425)

حرفِ آخر

اسلام صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) اور نہایت مُعتدِل دین ہے، یہ ہمیں عقائد وعبادات اور معاملات وآداب، سبھی میں میانہ روی کا حکم دیتا ہے۔ اِس اُمّت کو سرکارِ دوعالم ﷺ کی نسبت سے ملنے والے امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اُمّت سب سے افضل اور سب سے زیادہ اعتدال والی ہے۔

متعدد قرآنی آیات میں مسلمانوں کو اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً:

- کھانے پینے سے متعلق ارشاد ہے: وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ "اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو پسند نہیں۔" [الاعراف 7:31] سبحان اللہ! کیسا جامع کلام ہے کہ "حد سے نہ بڑھو" فرما کر کسی بھی طرح سے شریعت کے خلاف کرنے سے منع فرما دیا۔
- حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں فرمائیں، وہ ایسی شاندار نصیحتیں ہیں کہ باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اُن کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ o وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۔ "اور کسی سے بات کرنے میں (تکبر کی وجہ سے) اپنا چہرہ نہ پھیرو (بلکہ عاجزی سے پیش آؤ) اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چلو، یقیناً اللہ کسی اکڑنے والے، تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا o اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو (نہ بہت تیز چلو، نہ بہت سست) اور اپنی آواز کچھ نیچی رکھو (شور کرنے اور چیخنے چلانے سے بچو)، بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے (گدھے کی آواز بلند ہونے کے باوجود ناپسندیدہ ہے؛ لہٰذا ضرورت سے زیادہ اُونچا بولنا کوئی فضیلت والی بات نہیں، ناپسندیدہ ہے)۔" [لقمان 31:19،18]

اعتدال اور میانہ روی کیا ہے؟ شریعت نے جس چیز کے لیے جو حد مقرر کی ہے اُس حد میں رہنا اعتدال ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ شریعت کی پابندی کرنا ہی میانہ روی ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے اور مسلمان نمازوں کی ہر رکعت میں اِسی کی دُعا مانگتا ہے۔ اِسی سیدھے راستے سے متعلق ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ [ہود 11:56] "بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔" (جو اُس کا قرب چاہتا ہو وہ شریعت پر چلے، اُسے ربّ تعالیٰ کی خاص رحمت نصیب ہو جائے گی)

بعض لوگ دینی اُمور سے متعلق غیرت مند نہیں ہوتے، دین کے خلاف کوئی بات ہو تو نہ اُسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ ہی اُن کے دل میں گھٹن اور پریشانی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، کہتے ہیں: ہم اعتدال پسند ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی غلط فہمی دُور کر لینی چاہیے، دین کے حوالے سے کمزوری کا مظاہرہ کرنا اعتدال نہیں، بے حمیتی ہے... جہاں دینی تقاضا یہ ہو کہ محبت بھرے پیغام سے

دل جیت لیا جائے وہاں ایسا کرنا اعتدال ہے اور جب دینی تقاضا یہ ہو کہ دشمنانِ اسلام کو اپنی طاقت دکھائی جائے تو سیدنا ابو دُجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اسلحہ لہرانا اور اکڑ کر چلنا بھی اعتدال ہی ہے۔ جہاں شریعت سر جھکا کر چلنے کا حکم دے وہاں سر جھکانا میانہ روی ہے اور جب یہ حکم ملے کہ حالتِ احرام میں، مسجدِ حرام کے اندر، بیت اللہ شریف کے سامنے طواف کرتے ہوئے رَمل کرو اور پہلوانوں کی طرح چلو تو اب ربّ کے گھر میں ایسے چلنا ہی میانہ روی ہے۔

اِسے قیامت کی ایک علامت بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو اُمّت سب سے زیادہ اعتدال والی تھی، اب وہ ہر طرح سے بے اعتدالی کا شکار ہے۔ کسی سے محبت وعقیدت ہو یا نفرت و دشمنی، شریعت کی پاسداری کا خیال نہیں کرتے... مال کمانے اور خرچ کرنے کے حوالے سے بھی میانہ روی اختیار کرنا تو کہاں، جانتے ہی نہیں کہ میانہ روی کیا ہوتی ہے... پانی سمیت قدرت کی انمول نعمتیں بے دردی کے ساتھ ضائع ہو رہی ہیں... قومی خزانے سے متعلق حکمرانوں کی بے اعتدالی کا ذکر کرتے ہوئے شرم سے سر جھک جاتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ انفرادی واجتماعی طور پر خود کو شریعت کا پابند بنائیں اور ہر کام میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صدقے میں اُمّت کو دینی تقاضے سمجھنے اور اُنھیں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں اعتدال پسندی اور میانہ روی کی توفیق سے نوازے اور ہر طرح کی بے اعتدالی سے محفوظ فرمائے۔ ربّ تعالیٰ فقرِ بوذر اور زورِ حیدر کے صدقے میں پاکستانی حکام سمیت تمام مسلم حکمرانوں کو دینی غیرت عطا کرے۔ مالکِ کریم تمام پریشان حال مسلمانوں کو خوشیاں عطا فرمائے، مُلکِ پاکستان کو ہر قسم کے بحرانوں سے نجات دے اور کشمیر و فلسطین سمیت دنیا بھر کے دیگر مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے۔

آمین بجاہ النبیِّ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم